تحریص وترغیب کے راستے
اور صحافتی ضابطۂ اخلاق

خبر گرم ہے کہ حکومت نے 50 کروڑ روپے سے ایک فنڈ قائم کیا ہے، جسے ''پسندیدہ'' صحافیوں میں تقسیم کیا جائے گا، تاکہ وہ حکومت کا دم بھرتے رہیں اور ''ناپسندیدہ'' صحافیوں کو ''ایکسپوز'' کرتے رہیں۔ وزارتِ اطلاعات نے اس اطلاع کو افواہ قرار دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ''افواہ سازوں'' کا احتساب کیا جانا چاہیے، کیوں کہ صحافتی ضابطۂ اخلاق کے تحت جُھوٹی خبر گھڑنا، کسی واقعے میں ردوبدل کرنا یا دفتر سے ملنے والی تن خواہ کے علاوہ کسی فرد یا جماعت سے کسی قسم کا معاوضہ وصول کرنا ایک سنگین جُرم ہے۔ اس جُرم کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کے راستے کُھلے ہوئے ہیں، لیکن ہمارے معاشرے میں اس کا چلن عام نہیں ہوا۔ غالباً اس کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ جُھوٹ کے فروغ میں ہمارے سیاست دانوں اور سرکاری افسروں کا حصّہ نمایاں رہا ہے۔ وہ آسان اور محفوظ راستے پر چلنے کے عادی رہے ہیں۔ غلط اقدام کے حق میں لُولے لنگڑے عُذر پیش کرنا، اور اپنے بیانات سے مُکر جانا ان کا وتیرہ بن چکا ہے۔ ٹیپ ریکارڈر اور ویڈیو فوٹیج کے اس دور میں بھی وہ بڑی معصُومیت سے اعلان کر دیتے ہیں کہ ''میرے الفاظ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے۔'' غلطی کا اعتراف کرنا انھوں نے سیکھا ہی نہیں۔ سچ بہت سی بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔ انھیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرنی چاہیے کہ ''مجھ سے غلطی ہوئی، میرا موقف دُرست نہیں تھا، اس لیے اب میں نے اپنا موقف تبدیل کر لیا ہے۔''

وہ ایسا نہیں کرتے، کیوں کہ انھیں معلوم ہے کہ ہمارے معاشرے میں سینہ زوری کا سکّہ چلتا ہے۔ یوں، جُھوٹ کی عمارت بلند سے بلند تر ہوتی جاتی ہے۔ ہمارے کھوکھلے سماجی، سیاسی اور ثقافتی رویّوں کی بنیاد اسی رُجحان پر اُستوار ہے۔ تمام منفی رجحانات برسرِ اقتدار طبقات کی زبانوں سے جنم لیتے ہیں، اور نیچے کی طرف پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ جب تک احتساب کا کڑا نظام قائم نہیں ہوگا، اُس وقت تک وہ پھلتے پُھولتے رہیں گے۔ جو سیاست داں اپنے بیان سے مُنحرف ہو جاتا ہے، اسے بے نقاب کیا جانا چاہیے، اور جو صحافی کسی خبر یا بیان میں کمی بیشی کرتا ہے، اس کا چہرہ بھی عُریاں کیا جانا چاہیے۔ الزامات اور جوابی الزامات کا یہ سلسلہ اس قدر دراز ہو چکا ہے کہ اب اُسے روکنے کے لیے مُستقل بنیادوں پر کسی موثر بندوبست کا آغاز کیا جانا چاہیے۔ حکومت کے حلقۂ اثر سے بالاتر کوئی خودمختار ادارہ (مثال کے طور پر خودمختار پریس کونسل) ہونا چاہیے، جو شکایت موصول ہونے پر یا از خود نوٹس لیتے ہوئے تحقیقات کرے، فریقین سے ثبوت طلب کرے اور عوام کو بتائے کہ جُھوٹا کون ہے۔ یہ عمل تواتر سے جاری رہے اور جُھوٹ بولنے والا عوام کے سامنے بے نقاب ہوتا رہے تو اس رجحان کا زور گھٹ سکتا ہے۔ یوں بھی ہر شخص کے لیے عام عدالتوں کے دروازے کُھلے ہوئے ہیں۔ اگر کسی کو یہ شکایت ہے کہ کسی صحافی نے اس کے بیان میں کمی بیشی کی ہے یا بلاجواز اسے کسی جُرم میں ملوث کرنے کی کوشش کی ہے تو اسے انصاف طلب کرنے کے لیے عدالت سے رُجوع کرنا چاہیے۔

صحافی فرشتے نہیں ہیں۔ ان کے درمیان کالی بھیڑیں بھی موجود ہیں، جو ذاتی منفعت کی خاطر جانب داری کے مُرتکب ہوتی ہیں، حقائق کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کا شغل اختیار کرتی ہیں۔ معاشرے کے مختلف حلقے (جن میں حکومت بھی شامل ہے) بھی انھیں اس بُرائی کی طرف مائل کرنے میں برابر کا حصّہ ادا کرتے ہیں۔ اس رُجحان کا قلع قمع اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک طرف صحافی اپنے ضابطۂ اخلاق سے بدعہدی کا ارتکاب نہ کریں، اور دوسری طرف مذکورہ حلقے بھی انھیں اپنے جال میں گرفتار کرنے سے باز رہیں۔

ایک صحافی کے امتحان کا آغاز اسی وقت ہو جاتا ہے، جب وہ اپنے گھر سے باہر قدم نکالتا ہے۔ عوام النّاس اور خواص کے سامنے اس کی نشست و برخاست کے قرینے اس کے کردار کی سطح کا پیمانہ ہوتے ہیں۔ اک ذرا پست سطح پر آئے اور یہ شیشہ چکنا چُور ہوا۔ مثال کے طور پر، ایک پولیس مین ایک صحافی کو کسی ٹریفک قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پکڑ لے اور صحافی اُسے یہ جتانے لگے کہ میں ''صحافی'' ہوں تو یہ ایک پست، غیر قانونی اور احمقانہ عمل ہوگا، کیوں کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں۔ اپنے پیشے کی حُرمت پامال کرنا خود اپنی ذات کی تذلیل کا سامان فراہم کرنے کے مُترادف ہے۔ اسی طرح، اگر کوئی صحافی مالی منفعت کی خاطر کسی کا آلۂ کار بنتا ہے تو وہ بھی اپنے قابلِ احترام پیشے کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکا لگاتا ہے۔ کم اُجرت یا تنگ دستی کو کسی جُرم کا جواز نہیں بنایا جا سکتا۔ کسبِ زر کے لیے بہت سارے ثمر آور شعبے موجود ہیں، ان کی طرف جانے سے کون روکتا ہے۔ صحافت ایک نازک شعبہ ہے، جو حد درجہ بے غرضی اور دردمندی کا تقاضا کرتا ہے۔ صحافی عوام کو ترسیلِ معلومات کا ایک اہم ذریعہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے قارئین اور ناظرین کے سامنے حالات و واقعات کا آئینہ پیش کرتا ہے، عوام کی آرزوؤں اور اُمنگوں کی ترجمانی کرتا ہے، امن، انصاف، جمہوریت اور آزادی کا پرچار کرتا ہے اور ظالموں اور غاصبوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ اگر اس کا انفرادی کردار داغ دار ہوگا تو وہ اپنے اس فرض کو کیسے تاب دار کر سکتا ہے۔ کِک بیک یا رشوت وصول کرنا، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، انتہائی مذموم فعل ہے۔ جو صحافی اس مذموم فعل میں ملوث ہے، وہ اپنے پیشے کا احترام گھٹاتا ہے اور اپنی آب رُو بھی کھو بیٹھتا ہے۔

سرکاری ذرائع (جن میں وزارتِ اطلاعات پیش پیش ہے) مذکورہ خبر کی تردید کر چکے ہیں اور اسے تسلیم کر لینا چاہیے، اِلّا یہ کہ دوسری طرف سے کوئی ٹھوس ثبوت فراہم کر دیا جائے۔ تاہم، یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ وزارتِ اطلاعات کے دروازے سے تحریص و ترغیب کی برآمد کا سلسلہ ہر دور میں جاری رہا ہے۔ یہ ایک کُھلا راز ہے کہ اس کے پاس ایک خُفیہ فنڈ ہوتا ہے، جس سے فیض پانے والوں کے نام عام نہیں کیے جاتے، اگرچہ وہ اس حوالے سے کم از کم صحافتی حلقوں میں جانے پہچانے ضرور جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں، اُن کی نگارشات خود بھی چُغلی کھاتی ہیں کہ ہماری وجہِ نزول کیا ہے۔ ایسے صحافیوں پر نوازشات و عنایات کی بارش ہوتی ہے، جب کہ ناقدین پر آسانی سے ''شر پسندی'' اور ''دہشت گردی'' کا لیبل چسپاں کر دیا جاتا ہے۔ وزارتِ اطلاعات کی مشینری ہر دور میں حکومتِ وقت کے ''کارناموں'' کی تشہیر کرتی ہے، اور ہر قسم کی تنقید کو ناروا قرار دیتی ہے۔ جس کا کھاؤ، اُسی کے گُن گاؤ کے مصداق بدلتے موسم کے ساتھ اس کی وفاداری بھی بدل جاتی ہے۔ اس کا یہ ناپسندیدہ عمل عوام تک حقیقی معلومات کی ترسیل کے راستے میں حائل ہوتا ہے۔ جو بھی حکومت آتی ہے، وہ اس محکمے کو اسی مقصد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ وزارتِ اطلاعات کے پاس ایک رَٹا رَٹایا سبق موجود ہوتا ہے، جسے وہ ہر دورِ حکومت میں دوہرائے جاتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کے ممدوحین بدلتے رہتے ہیں۔ آج حزبِ اختلاف شیطان ہے تو کل اقتدار میں آنے کے بعد فرشتہ بن جائے گی۔ آج کی حزبِ اقتدار فرشتہ ہے تو کل اقتدار سے بے دخل ہونے کے بعد شیطان بن جائے گی۔ وزارتِ اطلاعات کا بس یہی مصرف ہے۔ وزارتِ اطلاعات کے اس غیر اصولی کردار کے باعث صحافیوں کا ایک سنجیدہ حلقہ (جس میں عامل صحافیوں کی وفاقی تنظیم، پی ایف یو جے بھی شامل ہے) سال ہا سال سے مطالبہ کر رہا ہے کہ وزارتِ اطلاعات کا قلم دان ختم کر دیا جائے، تاکہ میڈیا اور عوام کو اس کی دخل اندازیوں سے نجات مل سکے۔ اس مطالبے کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ سرکاری اشتہارات کی تقسیم کا نظام وزارتِ اطلاعات کے ہاتھ میں ہے، اور عام طور پر حزبِ اختلاف سے مُنسلک میڈیا اس کی نوازشات سے محروم رہتا ہے یا اسے کم کم حصہ ملتا ہے۔ علاوہ ازیں اسی ''ہتھیار'' کے بل پر وہ وقتاً فوقتاً میڈیا کو اپنی ''ہدایات'' سے بھی نوازتی رہتی ہے۔ آزادیِ صحافت کے لیے اس کا یہ کردار زہرِ قاتل کا اثر رکھتا ہے، اس لیے اس کے وجود کا کوئی جواز نہیں ہے۔

صحافتی ضابطۂ اخلاق اور خُود احتسابی

بعض دوستوں کی جانب سے پیغام ملا ہے کہ صحافتی ضابطۂ اخلاق کے بارے میں خاطر خواہ معلومات نہ ہونے کے باعث ہمارے درمیان بہت سے لوگ یہ طے نہیں کر پاتے کہ اُن کی پیشہ ورانہ ذمے داریوں کی حُدود وقُیود کیا ہیں، اور اس سفر میں پستی کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ وہ گلہ کرتے ہیں کہ ان کی دُرست رپورٹنگ پر بھی متاثرہ حلقے اُنہیں جانب دار اور بدنیت ثابت کرنے پر اصرار کرتے ہیں یا اپنے بیانات سے صاف مُکر جاتے ہیں اور صحافی برادری کے کردار پر انگشت نمائی کرنے لگتے ہیں۔

جہاں تک کہہ مُکرنیوں کا تعلق ہے، یہ بیماری ہمارے پورے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے۔ گذشتہ 61 سال سے ہمارا ملک مسلسل سیاسی، سماجی اور ثقافتی خلفشار میں مُبتلا ہے۔ اس عدم استحکام کے نتیجے میں مُستحکم سیاسی، سماجی اور ثقافتی رویّے کیسے پروان چڑھ سکتے ہیں؟ جُھوٹ اور مُنافقت کی بالادستی ہے۔ حکم راں طبقات (جاگیردار، سرمایہ دار اور ان کی قریبی حلیف، نوکر شاہی) اپنے ذاتی اغراض کی خاطر ڈھٹائی کے ساتھ اصولوں کو پامال کرتے ہیں، پھر بھی اپنی ایمان داری کا ڈنکا بجاتے ہیں۔ ان کا احتساب نہیں ہوتا، اس لیے ان کی کھالیں سخت ہوتی جاتی ہیں اور ان کی سنگ دلی اور خودغرضی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ جو لوگ یہ احمقانہ درس دیتے ہیں کہ ''اگر عام لوگ اخلاقِ عالیہ کے تقاضوں پر کاربند ہوں گے تو پورا معاشرہ تبدیل ہوجائے گا''، ان کی سادہ لوحی یا خودفریبی تعجب خیز ہے۔ معاشرے میں پائے جانے والے سیاسی اور سماجی رویّے سیاسی اور سماجی نظام کے رنگ سے جنم لیتے ہیں۔ سیاسی اور سماجی نظام میں ملک کے تمام باشندوں کو یک ساں حقوق حاصل ہوں گے، وہ اپنے فرایض پر دیانت داری سے کاربند ہوں گے اور حُدود سے تجاوز کرنے پر قانون یک ساں طور پر ان کے خلاف حرکت میں آئے گا، تو معاشرے میں مُستحکم سماجی اور سیاسی رویّوں کو فروغ حاصل ہوگا، جُھوٹ، خودغرضی، مُنافقت، لُوٹ مار، اقربا پروری اور رشوت خوری کی بیخ کُنی ہوگی۔ جہاں ''لے کے رشوت پھنس گیا ہے، دے کے رشوت چھوٹ جا'' کا فارمولا رائج ہو، وہاں سینہ زوری کا رُجحان عام ہوتا جائے گا۔ ایک ''شریف'' آدمی اپنے جائز کام کے سلسلے میں سرکاری دفتر کے چکر کھاتے کھاتے ہانپنے لگتا ہے، پھر کوئی زمانہ شناس سمجھاتا ہے، دل کے مریض بن جاؤ گے، اتنے سارے چکروں پر اتنی ساری رقم صَرف کر چکے ہو، یہی رقم متعلقہ افسر کے حوالے کر دیتے تو اس عذاب سے بچ جاتے۔ اس رُوح فرسا رشوت خوری کی پرورش ہمارا سیاسی اور سماجی نظام کرتا ہے۔ آسمان پر براجمان اہلِ اقتدار کھربوں روپے ہڑپ کر لیتے ہیں، اور کسی سیاہ قانون کی برکت سے پاک پوتر ہوجاتے ہیں۔ دوسری طرف، مغربی ممالک میں عوام اور خواص دونوں عملی طور پر قانون کی نظر میں برابر حیثیت رکھتے ہیں۔ جو جُرم کرے گا، اسے سزا ضرور ملے گی، خواہ وہ کتنی ہی بلند مَسند پر فائز کیوں نہ ہو۔ ہمارے ہاں جُھوٹ نہ صرف پنپتا ہے، بلکہ چیخ چیخ کر اپنی ناقابلِ تسخیر برتری کا اعلان بھی کرتا ہے۔

صحافی برادری کو اس شور وغوغا سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ عوام کو دُرست معلومات فراہم کرنا ایک مقدس فریضہ ہے، اسی لیے صحافت کو مملکت کا چوتھا ستون کہا جاتا ہے۔ میڈیا کو منفی اقدار کے زوال اور مثبت اقدار کے فروغ کا ذریعہ بننا چاہیے۔ جس معاشرے میں خودغرض طبقات کی ہوس کاریاں عروج پر ہوں، وہاں اس فرض کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے۔

اس پہلو سے قطع نظر، اہلِ صحافت کو خود احتسابی سے گھبرانا نہیں چاہیے، غلطی سرزد ہو تو اُسے فوراً تسلیم کر لینا چاہیے، یہ صحافتی ضابطۂ اخلاق کا بنیادی اُصول ہے۔ اپنے پیشے کا وقار بلند کرنے کے لیے ہمیں اپنا دامن اُجلا رکھنا چاہیے اور اپنی پیشہ وَرانہ ذمے داریاں دیانت داری سے انجام دینی چاہییں۔ ''لفافوں'' کے خُوگر، مُختلف النوع ''مراعات'' اور ''نوازشات'' قبول کرنے والے، سیاہ ہاتھوں والے عامل صحافی بدعُنوان ہیں اور ان کی بدعُنوانی ہر سطح سے بے نقاب کی جانی چاہیے۔ اسی طرح، سنسنی خیزی کا رُجحان بھی قابلِ مُذمت ہے۔ کسی اسٹوری میں کچھ پہلوؤں کو چُھپانا یا دبانا اور کچھ پہلوؤں کو اُبھارنا کسی طور جائز عمل نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رپورٹر اپنی ذاتی رائے مُسلط کرنے کا خواہاں ہے یا اس میں اس کا کوئی ذاتی مفاد کارفرما ہے۔ اگر کسی خبر سے کسی شخص یا ادارے کی ساکھ متاثر ہونے کا احتمال ہو تو اس کا موقف جاننا اور اسے بھی اپنے قارئین یا ناظرین کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے۔ یک طرفہ موقف پیش کرنا دُرست نہیں۔ اسی لیے جب تک عدالت میں کسی مجرم کے خلاف جُرم ثابت نہ ہوجائے، اس وقت تک اسے ''ملزم'' کہا جاتا ہے، اور اس پر عاید الزامات کے ذکر میں ''مُبیّنہ'' کا لفظ ضرور شامل کیا جاتا ہے۔ سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ جب تک ٹھوس ثبوت ہاتھ میں نہ ہو، اس وقت تک ناپُختہ اسٹوری منظرِ عام پر نہیں لانی چاہیے۔ کسی شخص کی کردارکشی کرنا ایک خوف ناک اور ناقابلِ معافی جُرم ہے۔

صحافتی ضابطۂ اخلاق میں اس اُصول کو کلیدی حیثیت حاصل ہے کہ اُن خبروں اور تحریروں کو دوسری خبروں اور تحریروں سے نمایاں کیا جانا چاہیے، جن میں معاشرے کے لیے امن، انصاف، جمہوریت اور یگانگت کا درس پنہاں ہو۔ اسی طرح ظلم وجبر، ناانصافی، آمریت اور غلامی کے خلاف سرگرم عمل قوتوں کی جدوجہد اور عوامی مسائل کو بھی نمایاں کوریج دی جانی چاہیے۔ اسی تناظر میں، عامل صحافیوں کا ایک اہم ترین فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاشرے میں آزادی صحافت اور آزادیِ اظہار کی جدوجہد پر مضبوط اور اٹل عزم کے ساتھ کاربند رہیں۔ اس جدوجہد سے انحراف دراصل عوام الناس کی آرزوؤں کی ترجمانی سے رُوگردانی کرنے کے مترادف ہوگا۔

ہر پیش کار کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اس کی پیش کش میں کوئی جھول نہ ہو۔ صحافت کی دُنیا میں (پولیس رپورٹ اور دوسری رپورٹوں اور تحریروں میں بھی) ہر تحریر کے لیے کم از کم پانچ W اور ایک H کا احاطہ کرنا لازمی قرار پاتا ہے۔ ہمیں اس بات کا بہ غور جائزہ لینا چاہیے کہ ہماری تحریروں اور رپورٹوں میں ان کا احاطہ کیا گیا ہے یا نہیں۔ بدقسمتی سے اس طرف غفلت کے نمونے عام ہوتے جارہے ہیں۔ اور جہاں تک اُسلوب بیان، تحریر میں منطقی ربط، الفاظ کی نشست وبرخاست، املا اور انشاء کی دُرستی یا صحیح تلفظ (بصری میڈیا میں) کا تعلق ہے، اس ضمن میں ہر طرف قتلِ عام کا منظر نظر آتا ہے۔ ان خامیوں کا علاج صرف اور صرف مطالعہ ہے، اس کے سوا اصلاحِ احوال کی کوئی اور صورت نہیں۔

صحافتی ضابطۂ اخلاق....اُجلا راستہ

پاکستان میں میڈیا ابتدا ہی سے بے جا اور مضحکہ خیز پابندیوں کا شکار رہا، حتیٰ کہ اسے سینسر شپ اور پری سینسر شپ کی بھٹّی میں بھی سُلگنا پڑا۔ جو بھی آیا، نئی زنجیریں لے کر آیا اور میڈیا کو اپنا فرماں بردار بنانے کے

لیے قسم قسم کی تعزیرات کے ساتھ تحریص وترغیب کے مختلف ہتھ کنڈے استعمال کرتا رہا۔ اُس کا گلا گھونٹنے کے لیے آرڈی نینس پر آرڈی نینس جاری ہوتا رہا۔ جس ملک میں بنیادی انسانی حقوق زُبوں حال ہوں، وہاں ذلّت کی ایسی ہی تصویریں جنم لیتی ہیں۔

تاہم، ان کے درمیان ایک روشن تصویر بھی دمکتی ہے، جمہوریت پسندوں کی قابلِ فخر قربانیاں، جن میں آزادیِ صحافت کے لیے پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس کی قیادت میں عامل صحافیوں کی شان دار جدوجہد بھی شامل ہے۔ پاکستان کے عامل صحافیوں نے کون سا عذاب نہیں بُھگتا، ناداری، بے روزگاری، قلیل اُجرتیں، غیر قانونی برطرفیاں، سول اور فوجی اہل کاروں کا تشدد، پھر تھانوں اور جیلوں کی سلاخیں اور پُشت پر تازیانے۔ عوام کو دُرست معلومات فراہم کرنے کی راہ میں حکم راں طبقات کے ہاتھوں انھیں قدم قدم پر رُکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بدقسمتی سے اہلِ صحافت کا ایک مفاد پرست گروہ بھی ان کے خلاف گم راہ کُن خبریں گھڑتا اور مشتہر کرتا رہا۔ حکم راں ٹولوں کا آلۂ کار یہ گروہ ایسے لوگوں اور جماعتوں کو ''غدار'' قرار دیتا رہا، جو جمہوری اقدار کے فروغ، اقلیتی صوبوں اور محنت کشوں کی جدوجہد اور عدلیہ کی آزادی کے حق میں اور سول اور فوجی آمریت اور مذہبی تنگ نظری کے خلاف آواز اُٹھا رہے تھے۔ ایک زمانے میں خُفیہ پولیس کے اہل کار رات دن سیاسی جماعتوں اور مزدور یونینوں کے کارکنوں اور عامل صحافیوں کی نقل وحرکت کی نگرانی کرتے تھے، ان کے جلسوں جلوسوں میں شریک ہوکر پلے کارڈوں اور بینروں پر درج نعروں اور تقریروں کے نوٹس تیار کرتے تھے۔ لاتعداد ایسے قوانین موجود تھے (جواب تک برقرار ہیں) جن کے تحت اجتماع، جلسوں جلوسوں، تحریر اور تقریر پر پابندیاں عاید تھیں۔ اخبارات کو آئے دن وزارتِ اطلاعات کی جانب سے directives جاری ہوتے تھے کہ فلاں خبر kill کردی جائے اور فلاں خبر نمایاں کرکے چھاپی جائے۔ سرکاری اشتہارات، نیوز پرنٹ کوٹا اور ڈکلریشن کے اجراء جیسے اختیارات حکومت کے تصرف میں تھے، اس لیے مالکان اخبارات مسلسل دباؤ کی کیفیت میں رہتے تھے اور ان میں سے اکثر مصلحت اور مفاہمت کے تقاضے پورے کرتے تھے۔ سرکاری ''ہدایات'' کی بارش کے ساتھ جبری آرڈی نینسوں اور سینسرشپ اور پری سینسرشپ کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پاکستانی تاریخ کے سفّاک ترین آمر، ضیاء الحق کے دور میں تو قرآنی آیات بھی سینسرشپ کی نذر ہوجاتی تھیں! ان تمام مظالم کے باوجود عامل صحافیوں نے آزادیِ صحافت کے لیے جوشان دار تحریکیں چلائیں، وہ پاکستان کی تاریخ کے ایک تاب ناک باب کی عکاسی کرتی ہیں۔

اس مختصر کالم میں ان واقعات کا تفصیلی جائزہ پیش کرنا ممکن نہیں، اور نہ ہی جمہوریت اور صحافت کی آزادی کے لیے قربانیاں دینے والے جاں فروشوں کا فرداً فرداً تذکرہ ممکن ہے۔ یہ اسی جدوجہد کا کرشمہ ہے کہ پاکستان کی فضاؤں میں... ہم صبح پرستوں کی یہ رِیت پُرانی ہے/ہاتھوں میں قلم رکھنا، یا ہاتھ قلم رکھنا... کا نعرہ آج تک زندہ ہے۔

اس طویل تمہید کا مقصد یہ ہے کہ جبر کے طویل سلسلے سے گزرنے کے بعد اب صحافی برادری کو اپنے وقار میں اضافہ کرنے کے لیے بھی اسی تن دہی سے جدوجہد کرنی چاہیے۔ انھیں اپنے پیشے کے رُموز سے پوری طرح آگاہ ہونا چاہیے اور بے ایمان اشرافیہ اور اہلِ اقتدار کو اپنے نام اور شناخت پر انگشت نمائی کا ذرا سا بھی موقع نہیں دینا چاہیے۔ یہاں مختصراً چند اہم نکات پیش کیے جارہے ہیں، جو ہمارے پیشے کی اخلاقیات میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض نکات کا احاطہ گذشتہ کالم میں کیا جاچکا ہے۔

(1) حقائق (Facts) میں ذرّہ برابر بھی تبدیلی نہیں کی جانی چاہیے۔ تحریر میں اختصار کے ساتھ جامعیت ہو۔ خبر میں کسی فریق کی جانب جھکاؤ یا جانب داری کی کوئی علامت کسی بھی زاویے سے دَر نہیں آنی چاہیے اور دوسری جانب کا موقف ضرور پیش کرنا چاہیے، خاص طور پر اس صورت میں جب خبر سے اس کی ساکھ متاثر ہونے کا خدشہ ہو۔ (2) جب تک ناگزیر نہ ہو، گم نام ذرائع استعمال نہ کیے جائیں۔ اگر رازداری کی شرط پر کسی ذریعے سے خبر حاصل کی جائے، تو ہر قیمت پر اپنے عہد کی پاس داری کی جائے۔ دوسروں کی تحریروں کا سرقہ نہ کیا جائے (3) خبر میں غلطی کی نشان دہی کے بعد فوری طور پر تصحیح (یا معذرت) شایع کردی جائے۔ (4) جب تک کوئی شخص عدالت سے مجرم ثابت نہ ہوجائے، اسے ''ملزم'' کہا اور لکھا جائے۔ (5) پیروکاری (Advocacy) اور خبر کے درمیان اور رپورٹنگ اور ایڈورٹائزنگ کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا جائے، یعنی اشتہار کو خبر کے طور پر پیش نہ کیا جائے۔ (6) کسی آفت، حادثے یا جُرم سے متاثرہ لوگوں سے گفتگو کرتے وقت انتہائی شایستگی اور ملائمت کا اظہار کیا جائے۔ جب تک ناگزیر نہ ہو، نوعمر ملزموں کے ناموں کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ جنسی تشدد جیسے واقعات کا نشانہ بننے والی عورتوں اور بچیوں کے نام ظاہر نہ کیے جائیں۔ کسی حادثے، آفت یا جُرم سے متعلق لاشوں کی لرزہ خیز تصویریں شایع نہ کی جائیں۔ (7) کسی بھی ذریعے (source) سے گفتگو کرتے وقت اکھڑ پن، خودنمائی یا شوخ چشمی سے پرہیز کیا جائے، خبر میں اس کی کسی شخصی خصوصیت (جیسے کسی کے اپاہج ہونے) کا ذکر نہ کیا جائے۔ (8) ایسی خبریں یا تحریریں شایع نہ کی جائیں جن سے مذہبی، لسانی، ثقافتی، فرقہ وارانہ اور علاقائی کشیدگی پھیلنے کا احتمال ہو۔ جنس، نسل، مذہب، عقیدے، سیاسی نظریے اور ثقافتی یا نسلی پس منظر کے حوالے سے کسی کو تضحیک اور تعصب کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ امن وانصاف، جمہوریت، شہری آزادیوں، بھائی چارے اور عدلیہ اور میڈیا کی آزادی کا پرچار کیا جائے اور ظلم وجبر، ناانصافی، آمریت اور غلامی کی تمام قوتوں کو بے نقاب کیا جائے۔ (9) ''بریکنگ نیوز'' حاصل کرنے کی ''دوڑ'' میں عُجلت کے باعث خبر کے متن میں غلطی دَر آسکتی ہے یا اس کے بعض کلیدی پہلو نظر سے اوجھل ہوسکتے ہیں۔ اس لیے اس ضمن میں احتیاط اور دیدہ ریزی ضروری ہے۔ سنسنی خیزی یا اشتعال پھیلانے کا باعث بننے والی خبروں سے گریز کیا جانا چاہیے اور کسی بھی خبر کی کوریج میں مبالغہ آمیزی کا تاثر نہیں اُبھرنا چاہیے۔ الیکٹرانک میڈیا پر ''پُرشور'' اور ہیجان انگیز فضا پیدا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اینکر پرسن کو محتاط اور سنجیدہ لب ولہجہ اختیار کرنا چاہیے، اور محض گرما گرم بحث کرانے کے چکر میں بحث کا پارہ تیز نہیں کرنا چاہیے۔ اس لاحاصل عمل میں منطق اور دلیل کج بحثی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح غیر ضروری طور پر بعض واقعات کی مبالغہ آمیز حد تک طویل لائیو کوریج نہیں کی جانی چاہیے۔ (10) ہر قسم کی کک بیک، نقدی، تحفے، لفافے، مراعات، عطیات، ڈسکاؤنٹ، قرضہ، ڈنر، مفت سفر، بلیک میلنگ اور سفارش کے حصول جیسی ترغیبات کے جال میں نہیں پھنسنا چاہیے۔ کسی کاروباری مفاد کی خاطر صاحبان اختیار سے ذاتی تعلقات قائم نہیں کرنے چاہییں۔ شایستگی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، لیکن کسی بااثر شخص کے سامنے خوشامدانہ انداز بھی اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ (11) خود کو احتساب سے بالاتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ صحافت ایک مقدس مشن ہے، یہ تکبر و نخوت کا مظاہرہ کرنے، اَنٹ شَنٹ لکھنے یا کسی کی عزت اُچھالنے کا لائسنس نہیں دیتا۔ (12) آزادیِ صحافت اور آزادیِ اظہار کے لیے جدوجہد جاری رکھنی چاہیے۔

آخری بات: سچ لکھنے سے رُوگردانی نہ کریں۔ نیک نامی اُجلے ہاتھوں پر دمکتی ہے، میلے ہاتھ کی لکیریں رُوسیاہی کا اشتہار بنتی ہیں۔

صحافتی فرایض ..... چند حفاظتی تدابیر

زیرِنظر کالم (حسبِ فرمایش) چند روز قبل تحریر کیا گیا تھا، جمعرات کو سوات کے صحافی موسیٰ خان کو بے دردی سے قتل کردیا گیا۔ یہ سانحہ ہمارے لیے ایک نئے انتباہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

میڈیا کے کارکنوں کے خلاف دہشت گردی کا رُجحان وباء کی شکل اختیار کرتا جارہا ہے۔ بدقماش افراد اور مفاد پرست گروہ اپنے جرائم کی پردہ پوشی کے لیے میڈیا کے کارکنوں کو دھمکیوں کی زَد پر رکھتے ہیں، انھیں اغوا کر کے تشدّد کا نشانہ بناتے ہیں، ان کے دفاتر پر حملے کرتے ہیں، ان کے اہلِ خانہ کو نقصان پہنچانے کے اشارے دیتے ہیں، اور کوئی صحافی سر جھکانے سے انکار کرے تو اُسے زندگی سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس لرزہ خیز ماحول میں میڈیا کے کارکنوں کو جسمانی اور ذہنی آزار سے بچنے کے لیے ضروری حفاظتی تدابیر پر غور کرتے رہنا چاہیے۔ اس عشرے میں اب تک دُنیا بھر میں 346 صحافیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا جا چکا ہے۔ 1999 سے 2008 تک ہمارے ملک میں چالیس صحافیوں کو قتل کیا گیا، 258 سے زاید رپورٹروں، فوٹو گرافروں اور کیمرامین کو گرفتار کیا گیا اور 100 سے زاید واقعات میں انھیں دھمکیوں اور جسمانی تشدّد کا نشانہ بنایا گیا۔ خُفیہ ایجنسیوں نے متعدد صحافیوں کو اغوا کیا، اور قید کے دوران انھیں خوف ناک تشدد کا نشانہ بنایا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ سندھ میں 78 صحافیوں پر اینٹی ٹیرر ازم ایکٹ کے تحت مقدمات قائم کیے گئے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے اور بلوچستان میں رپورٹرز اور فوٹو گرافرز شدید خطرات سے دوچار ہیں۔ راکٹوں، مارٹروں، میزائلوں اور کلاشنکوفوں کی سلطنت، وزیرستان اور سوات میں صحافیانہ فرایض انجام دینا مُحال ہوتا جارہا ہے۔

ان جہنّموں سے قطع نظر، ملک کے تقریباً تمام علاقوں میں سیاسی، مذہبی، علاقائی، لسانی اور سماجی نفرتوں کی آگ بھی بھڑک رہی ہے۔ خوں ریز تصادمات، خودکُش حملوں، بموں اور میزائلوں کی بارش اور دوبدُو فائرنگ کے واقعات ہمارے معمولات کا حصہ بن چکے ہیں۔ ٹوپک زمہ قانون (بندوق میرا قانون ہے) کا نعرہ جیسے ہمارے خون میں شامل ہو چکا ہے۔ ایک طرف فسادی مُلّا انسانوں کے ذبیحے کی ''برکت'' سے اپنے لیے جنّت تعمیر کر رہے ہیں، تو دوسری طرف مختلف سیاسی، علاقائی، مذہبی، لسانی اور سماجی تنظیمیں بھی اسلحے کے زور پر اپنی برتری منوانے پر کمربستہ ہیں۔ خوف ناک ترین ہتھیار ملک کے چپے چپے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جب قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی تشدد، خُوں ریزی، ناانصافی اور اذیت رسانی کے واقعات میں ملوث ہوں تو آگ کے اس دریا کو کیسے بُجھایا جاسکتا ہے۔

پاکستان کے میڈیا مَین روزانہ آگ کا یہ دریا عبور کرتے ہیں۔ خونیں تصادمات، جلسوں، جلوسوں، مظاہروں، جنگی کارروائیوں، خودکُش حملوں، بم باریوں اور قدرتی حادثات و آفات کی کوریج ان کی ذمے داریوں میں شامل ہے۔ یہ جان جوکھم کا کام ہے، لیکن اُنہیں یہ کلیدی اصول ذہن نشیں رکھنا چاہیے کہ دُنیا کی کوئی بھی اسٹوری اُن کی جان سے زیادہ قیمتی نہیں۔ اس لیے انھیں مُمکنہ حفاظتی تدابیر کو کبھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ ٹیم انچارج پر ذمے داری عاید ہوتی ہے کہ وہ ہنگامی اور پُرخطر واقعات کی رپورٹنگ کا فریضہ سونپتے وقت یہ دیکھے کہ متعلقہ عملہ کس حد تک تربیت یافتہ ہے، اور یہ کہ اسے ضروری حفاظتی ساز و سامان مہیا ہے یا نہیں۔

اگر کسی جگہ ایک ریموٹ کنٹرول بم پھٹتا ہے، تو کچھ وقفے کے بعد اسی جگہ مزید دھماکے بھی ہوسکتے ہیں۔ ہمارے بعض فوٹو گرافر اور رپورٹر اپنی عُجلت کے باعث دوسرے یا تیسرے دھماکے کا نشانہ بن چکے ہیں۔ آج کل کیمروں کے لینس اتنے طاقت وَر ہیں کہ کیمرامین کے لیے بلاضرورت ہدف کے سر پر پہنچنا ضروری نہیں ہوتا۔

جس مقام کی کوریج درکار ہو، اس کے محلِ وقوع کے بارے میں پوری معلومات ہونی چاہییں، تاکہ خطرے کی صورت میں کسی محفوظ جگہ پر پناہ لی جاسکے۔ پروفیشنل ٹریننگ اور فرسٹ ایڈ کِٹ اور دوسرے حفاظتی آلات ساتھ رکھنا ضروری ہے۔ شورش زدہ یا جنگ زدہ علاقے میں اندھا دُھند کسی بھی شخص کے پیچھے نہیں چل پڑنا چاہیے۔ ''خوف'' کا عنصر احتیاط کی ضرورت آشکار کرتا ہے، اس لیے اسے ''بُزدلی'' پر محمول نہیں کیا جانا چاہیے۔ ایکسائٹمینٹ عُجلت کو اور عُجلت خطرے کو دعوت دیتی ہے۔ غیرضروری طور پر جائے وقوعہ پر طویل قیام مناسب نہیں۔ مناسب رپورٹ اور تصویر حاصل کرتے ہی وہاں سے نکل آنا چاہیے۔

اپنا صحافتی شناختی کارڈ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں، اور کبھی کوئی ہتھیار آپ کی تحویل میں نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیشہ اپنا تعارف صحافی کی حیثیت سے کرائیں، تاہم فضا موافق نہ ہو تو اس کا ذکر نہ کریں۔ سُنسان سڑکوں کو دیکھ کر ٹھٹک جانا چاہیے کہ یہ کسی غیرمعمولی اور ہنگامی صورتِ حال کی علامت ہوسکتی ہے۔ سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی تصادمات کی کوریج کے وقت مجمع کے درمیان کُودنے کی کوشش نہ کریں۔ آپ کہاں ہیں، اس کی اطلاع دفتر کو ضرور دیں، تاکہ غیرضروری تاخیر کی صورت میں آپ کی خبرگیری کی جاسکے۔ اپنے سے زیادہ تجربہ کار ساتھیوں کی ہدایات پر توجہ دیں اور ایسے ساتھیوں کو نظرانداز کریں، جو آپ کے خیال میں غیرضروری رِسک لینے کے عادی ہیں۔ فساد زدہ یا جنگ زدہ علاقے میں گاڑیوں کے کسی قافلے کے ساتھ جارہے ہوں تو سب سے آگے اور سب سے پیچھے والی گاڑی میں نہ بیٹھیں، کیوں کہ عام طور پر ان ہی پر حملہ ہوتا ہے۔

جنگی محاذوں (جیسے سوات، وزیرستان وغیرہ) کی کوریج غیرمعمولی احتیاط کا تقاضا کرتی ہے۔ اس صورت میں تمام ضروری حفاظتی آلات، بُلٹ پُروف اور فائر پُروف جیکٹ، ہیلمیٹ، فرسٹ ایڈ کِٹ اور پانی کی بوتل ساتھ ہونا ضروری ہے۔ یہ ذمے داری (بشمول لائف انشورنس) میڈیا کی انتظامیہ پر عاید ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں اسے سیمینار اور ورک شاپس بھی منعقد کرنی چاہییں۔ جنگی محاذوں اور شورش زدہ علاقوں میں، کسی فریق کی دعوت پر فوراً اس کے ساتھ نہ چل پڑیں۔ پہلے طے کریں کہ اس میں رِسک کا عُنصر کس قدر ہے، اور یہ کہ اسٹوری کے لیے یہ سفر ضروری ہے بھی یا نہیں۔ آپ کا کام زندہ رہنا اور اپنی اسٹوری فائل کرنا ہے۔

ملیشیا یا فوجیوں سے ملتے جلتے کپڑے پہننے سے گریز کریں۔ کسی چیک پوائنٹ پر جعلی شناخت کے ساتھ گزرنے کی کوشش نہ کریں ورنہ آپ کو جاسوس قرار دیا جاسکتا ہے۔ ٹی وی چینل کا کیمرا دُور سے کسی ہتھیار جیسا نظر آسکتا ہے، اس لیے خطرہ محسوس ہو تو اسے کندھے سے اتار لینا چاہیے۔ اپنا ہدف واضح رکھیں کہ آپ کو کس کس کا انٹرویو کرنا ہے، اور یہ یاد رکھیں کہ فرنٹ لائن کبھی کلیر نہیں ہوتی، تعطل کے بعد بم باری کا سلسلہ کسی بھی وقت شروع ہوسکتا ہے۔ اپنا کام مکمل کرتے ہی واپسی کی راہ لیں۔ آپ کی گاڑی محفوظ اور دُرست حالت میں ہونی چاہیے اور اس میں کافی ایندھن بھی ہونا چاہیے۔ اپنا موبائل فون بھی دُرست حالت میں رکھیں تاکہ خطرے کی صورت میں کسی کو اطلاع دے سکیں۔ میدانوں اور گزرگاہوں میں چلتے وقت محتاط رہیں، اور کسی مشکوک چیز کو نہ اٹھائیں، کیوں کہ ایسے علاقوں میں بارُودی سرنگیں بھی پھیلی ہوتی ہیں۔ زخمی ہونے کی صُورت میں، زیادہ خُون بہنے کی صُورت میں، جسم کی کوئی ہڈی ٹوٹنے کی صُورت میں، جُھلسنے کی صُورت میں کیا کیا جانا چاہیے، اس بارے میں تمام معلومات آپ کو ازبر ہونی چاہییں۔ متعلقہ علاقوں کے رُسوم و رواج اور ثقافت کے بارے میں بھی ضروری معلومات حاصل ہونی چاہییں۔ لوگوں کا کوئی بھی ہُجوم کسی بھی وقت بے قابُو ہوکر آپ پر حملہ آور ہوسکتا ہے، اس لیے ان کے اندر گھسنے کی کوشش کبھی نہ کریں۔ اگر اپنے آلات (کیمرا وغیرہ) اور جان کے درمیان انتخاب کرنا ہو تو آلات کی قربانی دے دیں۔ اپنی گاڑی ہُجوم اور جلوسوں سے دور کھڑی کریں، تاکہ کسی ناخوش گوار صورتِ حال میں آسانی سے اسے استعمال کرسکیں۔ خدانخواستہ، آپ کو یا آپ کے اہلِ خانہ کو کسی مُخاصم گروہ، فرد یا سرکاری ادارے کے ہاتھوں اغوا یا گرفتاری کے سانحے سے دوچار ہونا پڑے تو اشتعال یا اضطراب کا شکار نہ ہوں، اور حاضر دماغی کے ساتھ اس اُفتاد سے نکلنے کی حکمتِ عملی پر غور کریں۔